

اقامت دین

اور اس کا طریقہ کار

مولانا امین احسن اسلامی

دعوة الکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ○ اسلام آباد - پاکستان

مطبوعات نمبر ۲۲

نام کتاب	دعوتِ دین اور اُس کا طریقہ کار
مصنف	مولانا امین احسن اصفہانی
محقق	سید حسین الرحمن
ناشر	دعوتِ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
طبع	ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پریس اسلام آباد
تاریخ اشاعت	فروری ۱۹۸۵ء

تقدیم

دین کی دعوت اور اسلام کے پیغام کو حتیٰ المقدور دوسرے انسانوں تک پہنچانا اُمت مسلمہ کے ذمہ ایک فرض کفایہ ہے۔ اگر دنیا بھر میں مسلمانوں کی کافی تعداد مؤثر انداز میں اور مظلومہ سطح پر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری کو انجام دے رہی ہو تو ساری اُمت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ ورنہ جس حد تک کمی اور جہاں جہاں کسر ہے گی اس کا وبال نہ صرف اس دنیا میں اُمت کو جگمگا پڑے گا بلکہ دوسری دنیا میں بھی ہر مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں جزا ب وہ ہوگا۔

دعوتِ اکیڈمی اجتماعی سطح پر علمی انداز میں اس خدمت کو انجام دینے کیلئے قائم کی گئی ہے۔ اکیڈمی کے دوسرے شعبوں (ترہیت، تحقیق و مطالعہ، بچوں کا ادب، مراسلاتی تعلیم، ابلاغیات) کے ساتھ شعبہ مطبوعات نے نئے کتابوں اور دعوتی لٹریچر کی تیاری اور طباعت و اشاعت کا ایک وسیع پروگرام تیار کیا ہے۔ اندرون ملک یہ کتابیں اُردو کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں میں اور بیرون ملک انگریزی کے علاوہ کئی دوسری زبانوں میں شائع کی جائیں گی۔ ہندوستانی زبان میں متعدد کتابیں اور کتابچے طباعت کے لیے تیار ہیں اور فی الوقت کمپوزنگ اور کتابت کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ اسی طرح ہنگالی، ہسپانوی اور چینی زبانوں میں بھی کتابیں زیرِ طبع ہیں۔

اکیڈمی نے اپنی مطبوعات کے قارئین کو ان کی ضروریات اور تعلیمی و دینی پس منظر کے لحاظ سے مختلف زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ اور فیصلہ کیا ہے کہ مختلف قارئین کی ضروریات کا باقاعدہ علمی انداز سے مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے کے بعد ہی کسی کتاب کو اشاعت کے لیے منتخب کیا جائے گا۔ اس طرح مختلف قارئین

رشتہ بچوں، نوجوانوں، نرسوں، غیر مسلمین، علماء کرام، کارکنان دعوت و تبلیغ، اہل علم و دانش وغیرہ کے لیے الگ الگ سلسلہ ہائے کتب شائع کیے جائیں گے، ان سلسلہ ہائے کتب میں ان قارئین کی ضروریات کا لحاظ رکھنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

زیر نظر کتابچہ جو عصر حاضر کے ایک نہایت نامور اور جلیل القدر عالم، مفکر، محقق اور داعی اسلام مولانا امین احسن اصلاحی دامت برکاتہم کے قلم سے ہے کارکنان دعوت و تبلیغ کے مطالعہ کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ جو حضرات دین کی دعوت اور پیغام اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مبارک کام میں مصروف ہوں، ان کو اسلام کے اصول دعوت اور منہاج تبلیغ کا علمی انداز میں نہ صرف خود مطالعہ کرنا چاہیے بلکہ دوسرے اہل علم نے اپنے اپنے قیمتی تجربے اور مطالعہ کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی پورا پورا استفادہ کرنا چاہیے۔ آنے والی نسلیں اگر اپنے مقتدین اور اکابر کے تجربے سے کما حقہ فائدہ اٹھاتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں تو کامیابی بہت جلد ان کے قدم چومتی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ہائے قارئین اس کتاب کو پسند فرمائیں گے اور اپنی تبلیغی جدوجہد اور دعوتی مساعی میں اس سے پورا پورا استفادہ کریں گے۔ اس مختصر گزارش کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضرور یاد دلانا چاہوں گا کہ حکمت اور انانی کی ہر بات مومن ہی کی گمشدہ پونجی ہوتی ہے اور اس کو قبول کرنے اور اس سے استفادہ کرنے میں کوئی مسلکی یا گروہی مصیبت ہرگز آڑے نہیں آئی چاہیے۔ نیک بخت ہے وہ شخص جو دوسروں سے سیکھنے میں عار محسوس نہیں کرتا، اور سعید ہے وہ شخص جو دوسروں کے تجربات سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔

دائم

محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل، دعوت اکیسٹری
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی نظام کیوں کر قائم کیا جائے؟

نظامِ خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، کوئی نظام بھی خود کار نہیں ہوا کرتا کہ وہ دنیا میں از خود قائم ہو جائے۔ اس کے قائم کرنے کے لئے بہر حال اس کے چاہنے والوں کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ جب وہ اپنی جدوجہد سے اس کے قیام کے تمام شرائط پورے کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو وہ نظام دنیا میں رائج ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کے امکان پر بحث کرتے ہوئے دو باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ یہ نظام کبھی دنیا میں قائم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ دوسری یہ کہ جب قائم ہوا تو یہ دنیا کے لئے موجب خیر و برکت ہوا یا نہیں؟ آپ جب ان دونوں سوالوں پر غور کریں گے تو تسلیم کریں گے کہ تاریخ ان دونوں سوالوں کے جواب اثبات میں دیتی ہے بلکہ تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ دنیا کے لئے خیر و برکت ہونے کے اعتبار سے اس سے بہتر نظام اس کے بعد کوئی دوسرا قائم نہ ہو سکا۔ اس حقیقت کا اعتراف دوستوں ہی کو نہیں بلکہ ان مخالفین کو بھی ہے جن میں انصاف اور سچائی کی کوئی رمتی ہے۔

جب یہ نظام تجربہ کی کسوٹی پر پورا اتر چکا ہے اور عملاً موجب خیر و برکت بھی ثابت

جو چکا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ کیوں نہیں قائم ہو سکتا؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کا عقلی معیار اتنا بلند ہو چکا ہے کہ اسلام اتنا بلند نہیں ہو سکتا۔ یا دنیا کا اخلاقی و عقلی معیار اتنا پست ہو چکا ہے کہ اس دنیا کو اسلام کی سطح تک اٹھایا نہیں جاسکتا؟ یا اب کوئی دوسرا نظام اسلام کے نظام سے بہتر وجود میں آ چکا ہے جس کے وجود میں آنے کے بعد اسلامی نظام دنیا کے لئے ضروری نہیں رہا۔ بعض لوگوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں دوسرا پہلو ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اب ان کے ہاتھوں اسلامی نظام کی توقع بالکل فضول ہے۔ اس سے ذرا مختلف نقطہ نظر رکھنے والا ایک اور گروہ بھی موجود ہے (جس میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی شامل ہے) جو سمجھتا ہے کہ دنیا ذہنی اور عقلی اعتبار سے اس قدر آگے جا چکی ہے کہ اب وہ اپنے لئے خود ہی اپنی ضرورت کے لحاظ سے نظام ایجاد کرے گی، پرانے نظاموں میں سے کوئی نظام بھی اس کے لئے موزوں نہیں رہا اگرچہ وہ اسلام ہی ہو۔

میں جب ان دونوں نقطہ ہائے پر غور کرتا ہوں تو مجھے یہ دونوں ہی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانہ میں دوسروں کا تو درکنار خود اسلام کے علمبرداروں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اس کو دیکھ کر دل بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ معاشرہ ہمارے معاشرے سے بہتر تھا جس میں اسلامی دعوت کا آغاز تھا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ معاشرہ ہمارے معاشرے سے بدتر تھا۔ لیکن اللہ کے رسول اور اس کے ساتھیوں نے اسی کے اندہ کام کیا اور اس کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ نہیں کہا کہ بھلا اس برسے معاشرے کے اندہ اسلامی نظام کے قائم ہونے کی کیا توقع ہے۔ لیکن ہے آپ کہیں کہ یہ تو جو کچھ ہوا، نبی کے عزم و جہت سے ہوا۔ دوسرے یہ عزم و جہت کہاں سے لاسکتے ہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں سے پیغمبر اور صحابہ کرام کے عزم و جہت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ ہمارے سامنے کام بھی اتنا مشکل نہیں ہے جتنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے ساتھیوں کے سامنے تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر اور جاہلیت سے کشمکش کی، اور اس کو مٹا کر اس کی جگہ اسلام کو قائم کیا۔ ہمیں کفر و جاہلیت سے لڑنا اور اس کو شکست دینا نہیں ہے، بلکہ صرف جمود اور جہالت سے کشمکش کر کے اپنے معاشرے کو اٹھانا اور بیدار کرنا ہے۔ اس معاشرے کے اندر بے شمار خرابیوں کے باوجود اسلامی مہلو سے بہت سی ایسی خوبیاں بھی ہیں، جن سے وہ لوگ نائدہ اٹھا سکیں ہیں، جو اس کی اصلاح کا کام کرنا چاہیں۔ اس کے اندر اسلام کے لئے کام کرنے کے بڑے امکانات ہیں، اور میں توقع رکھتا ہوں کہ اس کو ایک اسلامی معاشرہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ البتہ جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ اس مقصد عالی کے لئے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر بے نوٹ و بے غرض ہو کر صرف اللہ کے لئے کام کرنے والے بھی ہمارے اندر پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ اگر اس طرح کے لوگ ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو پردہ عینیب کے حالات کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن توقع یہی ہے کہ تمام مزارعتوں کے باوجود اس معاشرے کے اندر بہت جلد اسلامی طرز کی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ کشمکش اس بات کے لئے ہونی چاہیے کہ جو لوگ اسلام کے لئے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کو سمجھیں، اور اس کو اپنائیں، اسلامی نظام دنیا میں صرف انبیاء علیہم السلام کے طریق کار ہی پر گامزن ہونے سے وجود میں آسکتا ہے۔ دوسرے طریقے اس مقصد کے لئے بالکل بیکار ہیں۔

جو لوگ اسلامی نظام کو اب بعد از موت کی ایک چیز سمجھتے ہیں اور اس بنیاد پر یا تو اس کو بحیثیت ایک نظام کے موجودہ دور میں قابل اعتناء سمجھتے ہی نہیں یا سمجھتے ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اس میں ترمیم کر دی جائے۔ ہمارے نزدیک ان کی یہ غلط فہمی بیشتر اسلام اور اسلامی نظام سے ناواقفیت پر مبنی ہے، انہوں نے

جو تعلیم پائی ہے، اس نے اسلام کے خلاف ان کے ذہنوں میں بے شمار قسم کی غلط فہمیاں بھرتی ہیں۔ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری ہے، اور یہ کام انتھک کوشش اور منظم علمی و فکری جدوجہد کا طالب ہے۔ اس کام کی راہ میں جو مشکلات ہیں وہ بے اندازہ ہیں، لیکن ان مشکلات سے بالواسطہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر اسلام کے لئے کام کرنے والے جدوجہد کی صحیح راہ اختیار کر لیں تو غلط فہمیوں کے اس جنگل کو بھی صاف کرنے میں زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ لیکن ہے بہر حال یہ راہ صبر و استقامت اور جو لوگ جلدی نتائج حاصل کر لینے کے لئے بیقرار ہوں، وہ اس راہ کو مشکل ہی سے اختیار کرنے پر راضی ہوں گے۔

اس زمانہ کی شکل پرچہ اول تو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے آشنا ہی نہیں ہیں اور اگر کوئی اس سے آشنا ہونے اور اس پر کام کرنے کا دعویٰ کرے گا تو دعویٰ بے کراٹھا بھی ہے تو چند قدم بھی اس راہ پر چلنا نصیب نہیں ہوتا کہ گرد و پیش اور زمین و آسمان کے نور و آفتاب سے آدمی کو دھکیل کر اسی دگر پر ڈال دیتے ہیں جو اس زمانہ کی عام دگر ہے۔

انبیاء کرام کے طریق کار کی وضاحت

لیکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے اسلامی نظام کے قیام یا دوسرے الفاظ میں انامت وین کے لئے کوئی خاص طریقہ بتایا جو جو مخصوص ہے، اور جس کی پیروی اس مقصد کے لئے کام کرنے والوں پر ہر دور میں ضروری ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں بتانا چاہیے کہ وہ طریقہ کار کیا ہے تاکہ بات مجمل نہ رہے، اور جو لوگ اس کو اختیار کرنا چاہیں، اختیار کر سکیں۔

اس سوال کا ہماری طرف سے نکلے جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طرح طہارت و

عبادت اور معاشرت و معیشت سے متعلق ہماری رہنمائی کے لئے اپنی سنتیں چھوڑی ہیں، اسی طرح اصلاح معاشرہ، اقامت دین یا اسلامی نظام کے طریقہ قیام سے متعلق بھی اپنی نہایت واضح سنتیں چھوڑی ہیں جن کو اختیار کئے بغیر اقامت دین کے نصب العین کے لئے کوئی نتیجہ خیز کام نہیں کیا جاسکتا، ان سے ہٹ کر جو کوشش بھی اس مقصد کے لئے کی جائے گی، وہ بالکل بے برکت اور بے نتیجہ ثابت ہوگی۔ ہم نے خاص اسی عنوان پر دعوت دین اور اس کا طریق کار کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جن لوگوں کے ذہن میں اس امر خاص سے متعلق کوئی تشویش ہے ہم ان کو مشورہ دیں گے کہ ہماری مذکورہ کتاب ایک مرتبہ صاف ذہن کے ساتھ وہ ضرور پڑھ ڈالیں۔

یہاں ہم اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھنے کے لئے گنجائش نہیں رکھتے صرف چند اصولی باتوں کی طرف اشارہ کریں گے جس سے فی الجملہ یہ اندازہ ہو سکے گا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار کن خاص پہلوؤں سے اہل سیاست کے طریقوں سے مختلف ہوتا ہے۔

۱۔ پہلی خصوصیت: قول اور عمل کا توافق۔ سب سے پہلی چیز جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے طریق کار کو دوسروں سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء جن باتوں کے داعی بن کر اٹھتے ہیں، ان کے سب سے بڑے علمی مظہر وہ خود ہوتے ہیں۔ وہ جن نیکیوں کے مبلغ ہوتے ہیں اگر دوسروں سے ان پر پابوسیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود ان پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جن برائیوں سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کرتے ہیں ان کے بارے میں وہ دوسروں سے اگر صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے احتراز کریں تو اپنے لئے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی پرچھائیں بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ برعکس اس کے اہل سیاست کا عام طریقہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بقول یہ ہوتا ہے کہ جس بوجھ کے اٹھانے میں وہ اپنی انگلی کا بھی سہارا نہیں دینا چاہتے اس کو وہ پورے کا پورا دوسروں کی کمر پر لا دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے علماء کے بارے میں

ہیں نہ رہا ہے کہ تم دوسروں کو تو نیکی کا درس دیتے ہو لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔
 اسی طرح اہل سیاست جن باتوں سے خود کو مومنوں دور ہوتے ہیں ان کی سنادی وہ اپنی ہر تحریر
 اور تقریر میں کرتے پھرتے ہیں، وہ اپنے قول ہی کو عمل کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور محض زبان کے
 چھاگ سے وہ ثمرات و نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں جو تانچہ خون اور پسینہ ایک کر دینے
 سے حاصل ہوتے ہیں اور جن کے لئے آدمی کو اپنے ایک ایک بن مو کو گواہ بنانا پڑتا ہے۔
 اگر آپ ایمانداری سے اپنے حالات کا جائزہ لیں گے تو ہماری اس رائے سے اتفاق کریں
 گے کہ جماعتی قوم کو ایک مدت دراز سے ایسے ہی طبیبوں سے سابقہ ہے جو سومریوں کے
 مریض ہونے کے باوجود قوم کے علاج کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جو اپنی آنکھوں
 میں بڑے بڑے شہتیر چھپائے رکھنے کے باوجود دوسروں کی آنکھوں کے تھکے تلاش کرنے
 میں یہ طوئی رکھتے ہیں — ایسے طبیبوں کی سسی علاج کا جو نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے وہ معلوم ہے۔

۲۔ دوسری خصوصیت: سیاسی تبدیلی سے پہلے معاشرے کی اصلاح

دوسری چیز جو حضرات انبیاء کے طریقہ کو دوسروں کے طریقہ سے متاثر کرتی ہے وہ یہ
 ہے کہ انبیاء سیاسی اقتدار کے حصول پر اصلاح معاشرہ کے کام کو منحصر نہیں قرار دیتے بلکہ
 معاشرہ کی اصلاح کو نظام سیاسی کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں، ان کے طریقہ کار میں اصل
 اہمیت جس چیز کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ اور اعمال و اخلاق
 تبدیل ہوں اور برائی سے لڑنے اور بھلائی کو قائم کرنے کے لئے ان کے ضمیر کو پوری طرح بیدار
 ہو جائیں۔ یہ بیداری پیدا کرنے کے لئے وہ جدوجہد کرتے ہیں اور یہ جدوجہد وہ مسلسل جماعتی
 رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ باتوں میں سے کوئی ایک بات ظاہر ہو کر رہی ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ
 نے ان کی کوششوں سے ایک صالح معاشرہ کھڑا کر دیا اور اس معاشرہ کے ہاتھوں ایک
 صالح نظام قائم ہو گیا ہے یا اسی مفقود کام میں ان کی زندگیاں ختم ہو گئی ہیں اور چند نفوس

کے سوا کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ حضرات انبیاء کی زندگیوں میں ان دونوں ہی چیزوں کی مثالیں ملتی ہیں اور اس دوسری چیز کی مثالیں کم نہیں بلکہ پہلی چیز کے مقابل میں کچھ زیادہ ہی ملتی ہیں لیکن کسی ایک نبی کی زندگی میں بھی اس بات کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس نے معاشرہ کی اصلاح کو نظام کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس مقصد کے لئے دعوت و بنا شروع کر دی ہو کہ پہلے جس طرح بنے اقتدار پر قبضہ کرو اور پھر اس اقتدار کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بناؤ۔

اس کے بالکل برعکس سیاسی طور پر کام کرنے والوں کی ساری ہجراگ دور حصول اقتدار کے لئے ہوتی ہے۔ بعض اس اقتدار کے حصول کے لئے آئینی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ بعض غیر آئینی راستے اختیار کرنے میں بھی کوئی تباہی نہیں محسوس کرتے۔ جو لوگ آئینی طور طریقے اختیار کرتے ہیں ان کا سارا اعتماد اس بات پر ہوتا ہے کہ دوسروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ان کے ساتھ ہو۔ اس وجہ سے ان کی توجہ رات دن دوسروں کے ساتھ جوڑ جوڑ توڑ پر صرف ہوتی ہے۔ ان کو ساتھ ملانے کے لئے وہ سارے جتن کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس سرگرمی میں وہ جائز اور ناجائز کی بھی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ کوئی بات اگر انہیں ناجائز محسوس ہوتی بھی ہے تو وہ خیال کر کے اپنے اس ناجائز کو جائز بنا لیتے ہیں کہ کسی بڑے مقصد کے لئے کسی چھوٹے ناجائز کو جائز کر لینے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ دوسروں سے ان کا سارا یارانہ و دھن حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے خیرو شر سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، اگر وہ اپنے دھن انہیں دے دیں تو ان کے فقط نظر سے وہ معاشرہ کے بہترین افراد ہیں اگرچہ وہ فی الواقع اتنے برے ہوں کہ ان کے فتنوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہو۔ اس طرز کے لوگ اگر معاشرہ کی خدمت اور اصلاح کا کوئی چھوٹا بڑا کام کرتے بھی ہیں تو اس میں بھی غلوں اور فتنیت کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ اصل پیش نظر مقصد وہی ہوتا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی یہ کہ ان کی ان خدمتوں سے سناٹہ ہو کر انتخابات میں لوگ اپنے دھن ان کے حق میں استعمال کریں۔ یہ

مقصود اس گروہ پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اگر کہا جائے کہ یہ حضرات اپنے انتخابی حلقوں میں نماز بھی اگر پڑھتے ہیں تو اس دور کے مقصد ہی سے پڑھتے ہیں تو شاید اس میں بھی کوئی مبالغہ نہ ہو۔ پھر خاص بات یہ ہے کہ ان سیاسی کارندوں کا سارا جوش کار صرف اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک ان کے لئے برطانوی طرز کا پارلیمانی نظام ملک میں قائم رہے۔ اگر یہ نظام قائم نہ ہو تو ان کا سارا جوش، جہاد و اصلاح اس طرح ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ گویا سو مزدوں کے یہ ایک مردہ ہیں۔ یہ ساری خرابی و حقیقت ان کے طریق کار کی ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام اس بات کے محتاج کب رہے ہیں کہ ملک میں امر کی یا انگریزی طرز کا نظام ہو تب وہ کام کریں ورنہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔

یہ فکر آئینی طریقہ پر کام کرنے والوں کا تھا۔ جو لوگ غیر آئینی طریقہ پر کام کرتے ہیں ان کا اعتماد خفیہ سازشوں پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے نظریات کھلے میدان میں عقل اور استدلال کی راہ سے منوانے پر اعتماد نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے سازشی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اس راہ سے اقتدار حاصل کرنے میں اگر ان کو کامیابی ہو جاتی ہے تو پھر سیاسی جبر کے ذریعے سے وہ معاشرہ پر اپنے نظریات مسلط کر دیتے ہیں۔ اثر واکیت کے علمبرداروں کا طریق کار یہی ہے۔ ظاہر ہے یہ طریق کار انبیاء کے طریق کار سے پہلے طریقہ سے بھی زیادہ دور ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد جبر پر ہے اور انبیاء کے طریقہ میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ یہ جبر آئین کے ذریعے سے حاصل کردہ اقتدار کے ہاتھوں استعمال ہو یا سازش کے ذریعے سے حاصل کردہ اقتدار کے ذریعے سے۔ ہاتھوں کے اختلاف سے اہل حقیقت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا۔ اسلامی نظام کوئی جمہوریت کا سودا نہیں ہے بلکہ آزادانہ ایمان و اسلام کا معاملہ ہے اور اس کے لئے واحد پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ ایک آزاد اسلامی معاشرہ میں اس کی آزادانہ مرضی اور آزادانہ رائے سے قائم ہو۔ وہ لوگ اس کو قائم کریں جنہوں نے عقل سے اس کو قبول کیا ہو ورنہ اس کو مانا ہو اور عمل سے اس کی گواہی دے رہے ہوں۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام کا قیام معاشرہ کی اصلاح ہی پر منحصر ہے اور اس کے لئے اہل سیاست کے سے طریقے نہیں اختیار کئے جاسکتے تو پھر یہ بل کبھی بندھے نہیں چڑھ سکتی۔ ان کے خیال میں یہ طریقہ کار اتنی طویل مدت چاہتا ہے کہ جب تک معاشرہ کی اصلاح ہوگی، اس وقت تک جو خرابیاں آج پائوسیر میں موجودہ نظام کے زیر سایہ پرورش پا کر من بھر ہو جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آج اگر اسلام کا نام لینے کا موقع ہے تو کل یہ نام لینے کا بھی امکان نہیں باقی رہے گا۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے لیکن ہمارے خیال میں اس میں کئی مغالطے چھپے ہوئے ہیں۔

اس میں پہلا مغالطہ تو یہ ہے کہ یہ حضرات اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر ایک صحیح کام صحیح طریقہ پر کرنے میں بہت دیر لگنے کا اندیشہ ہے تو اس کی تلافی کا یہ کون سا دوا شہداء طریقہ ہے کہ ایک غلط کام بالکل غلط طریقہ ہی پر کر ڈالا جائے، غلط کام بہتر حال غلط ہے۔ وہ اس وجہ سے صحیح نہیں بن جائے گا کہ وہ جلدی سے انجام پا جاتا ہے، ہر کام کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے اور وہ نتیجہ خیز اسی صورت میں ہوتا ہے، جب اس کو اس کے مخصوص ذہب پر انجام دیا جائے، اگرچہ اس میں کتنا ہی وقت لگے۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ بعض لوگ زبان کے پھاگ اور عمل کے جہاد میں اثرات و نتائج کے لحاظ سے جو فرق ہے اس کو نہیں سمجھتے۔ اگر اسلامی نظام کا دعویٰ محض زبان اور قلم پر ہوا، عملی زندگی اسلام کے حقیقی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہو تو اسلامی نظام ناقیامت قائم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ کو سیاسی اقتدار حاصل ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سیاسی اقتدار دنیا میں اسلام کے بہت سے مدعیوں کو حاصل ہوا۔ لیکن اسلام کے لئے وہ اگر کچھ مفید ہوا تو اسی شکل میں ہوا جب اقتدار والوں کی عملی زندگیوں میں اسلام کا کچھ اثر بار بر خلاف اس کے جم نے اپنی آنکھوں سے ایسے اشخاص دیکھے ہیں، جنہوں نے چند سالوں کے اندر اندر معاشرہ کے معاشرہ کو اپنے رنگ میں رنگ ڈالا اور ملکوں اور قوموں کی قسمیں بدل دیں۔ حالانکہ جب انہوں نے یہ کام

کئے ان کو سیاسی اقتدار حاصل نہیں تھا۔ اگر ان کو کوئی چیز حاصل تھی تو صرف یہ تھی کہ وہ اپنے اصولوں، اپنے نظریات اور اپنے دعویٰ کے فی الواقع عملی مظہر تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے بہت سے نظریات صحیح نہیں تھے، لیکن کردار کا جادو وہ چیز ہے کہ بسا اوقات یہ کنوشک فرومایہ کو بھی عقاب و شاہین کی سرعت بخش دیتا ہے۔

تیسرا مضامین یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اقتدار پر قبضہ کر کے برائی کے پھیلانے والے طاقتور ہاتھوں کو معطل نہ کر دیا جائے تو بھلائی کے پھیلانے کا کوئی اسکاں ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی معاشرہ میں برائی کے پھیلنے کی اصل وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ برائی پھیلانے والے ہاتھ بڑے زوردار اور مؤثر ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ ان برائیوں کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے یا تو موجود ہی نہیں ہوتے یا موجود تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اخلاص، دلسوزی، درد مندی اور عزیمت نہیں ہوتی، اگر کسی معاشرہ کے اندر معاشرہ کا سچا درد رکھنے والے، برائیوں پر تڑپ جانے والے، علم و دلیل کے ساتھ بات کرنے والے اور ہر برائی کے مقابل میں صداقت و عزیمت کے ساتھ ڈٹ جانے والے موجود ہوں تو وہ کسی سیاسی طاقت کے بغیر برائی کے طاقتور سے طاقتور ہاتھوں کو بھی معطل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسے مردان حق کے سامنے برائی خواہ کتنے ہی زوردار و ہدہ کے ساتھ آئے لیکن وہ بھلائی کو مغلوب کرنے کے بجائے خود اپنے آپ کو غریباں کرتی ہے اور بالآخر اسے میدان سے پسپا ہونا پڑتا ہے۔ اس کے خلاف اگر کوئی شہادت ہمیں ملتی ہے تو صرف ایسے معاشرہ کے اندر ملتی ہے جس کا نساو اس قدر بٹھ چکا ہو کہ قدرت کی طرف سے اس کے لئے طاقت مند ہو چکی ہو ورنہ معاشرہ کے اندر اگر زندگی کی کوئی رقی باقی ہے تو صحیح طور پر کام کرنے والوں نے ان مظالم کو بھی حق کے لئے نفاذ بنا دیا ہے، جو طاقتور ہاتھوں نے باطل کی حمایت میں کئے ہیں۔ تنور میں آگ زوردار ہو تو گیلی لکڑی بھی اس کو بجھانے کے بجائے اس کے لئے ایندھن کا کام دے جاتی ہے۔

۳۔ تیسری خصوصیت: اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کی تیسری خصوصیت یہ ہے

کہ ان کی مخالفت و موافقت جو کچھ بھی ہوتی ہے اللہ و فی اللہ ہوتی ہے۔ ان کی محبت بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے اور دشمنی بھی صرف اللہ کے لئے، وہ حق کے ساتھی ہیں، خواہ ان کے دشمن ہی کے اندر پایا جائے اور باطل کے وہ مخالف ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان کے کسی ہوا خواہ کے اندر ہی کیوں نہ پایا جائے، انہیں کسی خاندان، کسی گروہ، کسی پارٹی اور کسی قوم سے محض اس کے ایک مخصوص گروہ یا خاندان یا پارٹی ہونے کے سبب سے نہ دشمنی ہوتی اور نہ دوستی۔ دشمنی اور دوستی جو کچھ انہیں ہوتی ہے وہ اصول و عقائد اور اعمال و اخلاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ وہ اپنے مخالف کی خوبیوں کا بھی اسی بنیاد کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں جس بنیاد کے ساتھ اپنے موافق کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنے موافق کی برائیوں پر بھی اسی شدت کے ساتھ نکیر کرتے ہیں جس شدت کے ساتھ اپنے کسی مخالف کی برائیوں پر نکیر کرتے ہیں۔

برعکس اس کے جو لوگ سیاسی طریقوں پر کام کرتے ہیں ان کی دوستی اور دشمنی ان کے گروہی مفاد اور سیاسی مصالح و اعتراض پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی تمام جدوجہد کا محور صرف اقتدار ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی یہ فطرت بن جاتی ہے کہ جو اقتدار سے محروم ہوں وہ اچھا اقتدار کے اندر کسی خوبی کا اقرار نہ کریں اگرچہ وہ خوبی سو سچ کی طرح روشن ہو اور جو اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوں وہ اقتدار سے محروم جماعتوں کی کسی خوبی کا اعتراف نہ کریں اگرچہ وہ خوبی انہوں کو بھی نظر آ رہی ہو۔ جس طرح ہم نے آج تک کسی ہڈی کی موجودگی میں وہ کتوں کو ایک دوسرے کے لئے انصاف پسند اور خیر خواہ نہیں پایا اسی طرح اقتدار کی استخوان نزاع کی موجودگی میں اقتدار کے خالین اور اقتدار سے محرومین کو کبھی ایک دوسرے کے لئے خیر خواہ اور انصاف پسند نہیں پایا۔ اختلاف برائے اختلاف ان کا دین ہوتا ہے اور اپنے اس دین کی پیروی وہ بہت بوش و حواس اور بہ ثبات عقل و اختیار کرتے ہیں اور اس احمقانہ رویہ کو اپنی سیاسی زندگی

کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت بتاتے ہیں جس سے ان کے نزدیک مغر کی کوئی صورت ہی باقی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کا

پتہ تھی خصوصیت: اصل نبی تبلیغ و شہادت
دین قائم کرنے کے لئے آئے، اور

اس مقصد کے لئے جس چیز کو انہوں نے ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ تبلیغ و شہادت ہے۔ تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ان پر اتارا، انہوں نے بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی رد و بدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیا، نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر محسوس ہوا، نہ اس کے مواد میں، نہ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی پیدا کی نہ اس کی تدریج میں۔ وہ اللہ کے دین کے اپنی تھے۔ اس کے موجب اور مصنف نہیں تھے۔ اس وجہ سے اپنی ذمہ داری انہوں نے ہر طرح کے حالات میں صرف یہ سمجھی کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔ انہوں نے اس بات کی پروا کبھی نہیں کی کہ اس دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے، اگر مصلحت کے پرستانوں کی طرف سے کبھی یہ امر اٹھایا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کر لیں گے تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی رد و بدل کے مجاز نہیں ہیں جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے، جس کا جی نہ چاہے وہ رد کرے۔

شہادت کا مطلب یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، قول سے، عمل سے، خلوت سے، جلوت سے

زندگی سے، موت سے، غرض اپنی ایک ایک ادا سے انہوں نے اسی دین کی گواہی دی جس کے وہ داعی بن کر آئے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ انہوں نے جس چیز سے دوسروں کو روکا، اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کیا جس چیز کا وہ روکا کو حکم دیا اس پر خود پوری قوت و عزیمت کے ساتھ عمل کیا۔ ان کی دعوت اور ان کی زندگی کی

یہی مکمل مطابقت و حقیقت ان کی دعوت کی صداقت کی وہ دلیل بنی جس کو ان کے کٹر سے کٹر دشمن بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے بالکل برعکس معاملہ اہل سیاست کا ہے۔ اہل سیاست خدا کا دین نہیں قائم کرتے بلکہ تحریک چلاتے ہیں۔ اگر وہ دین کا نام لیتے بھی ہیں تو وہ دین بھی ان کی تحریک ہی کا ایک جزو ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جس وادی میں ان کی تحریک ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، ان ساری وادیوں میں ان کا دین بھی جھٹکتا پھرتا ہے۔ ایک تحریک کے نئے تبلیغ اور شہادت کے معصوم ذریعے بالکل بیکار ہیں۔ اس لئے اہل سیاست کا سارا اعتماد اپنے مقصد کی کامیابی کی راہ میں پروپیگنڈے پر ہوتا ہے۔ پروپیگنڈا اور تبلیغ میں صرف انگریزی اور عربی ہی کا فرق نہیں ہے، بلکہ رواج اور جوہر کا بھی فرق ہے۔ تبلیغ تو جیسا کہ واضح ہو چکا ہے صرف اللہ کے دین کو پورا پورا پہنچا دینا ہے، لیکن پروپیگنڈے کا مقصد پیش نظر تحریک کو کامیاب بنانا ہوتا ہے۔ یہ کامیابی جس طرح بھی حاصل ہو۔ پروپیگنڈا ایک مستقل فن ہے جس کو نہ مانہ مال کی سیاسی تحریکات نے جنم دیا ہے، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان تمام اخلاقی حدود و قیود سے بالکل آزاد ہوتا ہے جن کی پابندی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے امانت دین کے کام میں واجب سمجھی ہے۔

مناسب ہو گا کہ ہم مختصر طور پر یہاں پروپیگنڈے کی چند خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کر دیں تاکہ سیاسی تحریکات کے اس سب سے بڑے وسیلہ کار اور تبلیغ کے درمیان جو فرق ہے، وہ واضح ہو کر سامنے آجائے۔

پروپیگنڈے کے اجزائے ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس کے اندر جزو اکبر کی حیثیت مبالغہ کو حاصل ہوتی ہے، بات کا جنگلہ اور رائی کا پریت بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ کوئی مجمع ہ سو کا ہو گا تو وہ اس کی بدلت اخبارات کی شہ سرخوئیں میں ہ ہزار کا بن جائے گا۔ کسی کا استقبال دس آدمی کریں گے تو یہ دس آدمی اس پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی سے

دس ہزار بن جائیں گے کسی بستی یا شہر کے دو چار آدمی اگر کسی مسلک سیاسی کے ساتھ ذرا سی ہمدردی کا بھی اظہار کر دیں گے تو اس مسلک کے حامی اپنے اخبارات و رسائل میں یوں ظاہر کریں گے کہ گویا وہ پورے کا پورا شہر ان کی تائید و حمایت میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اگر کسی باہر کے ملک سے تائید و ہمدردی کا ایک کارڈ بھی آجائے گا تو پریس میں اس کی تشہیر یوں ہوگی کہ فلاں ملک کو فلاں تحریک نے بالکل سخر کر لیا ہے۔ اگر کوئی خدمت حقیقت کے ترازو میں چھٹا تک ہوگی تو پروپیگنڈے کی مشینری کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو کم از کم سن بھڑا دکھائے۔ اس جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو موجودہ زمانہ میں ہمارے اہل سیاست نے اس طرح اڑھٹا بچھونا بنایا ہے کہ اب اس کے برائی ہونے کا شاید لوگوں کے اندر احساس بھی سرورہ ہو گیا ہے۔ اس کوچہ میں بدنام تو اکیلا غریب گونبلز ہے اور اس کی یہ بدنامی بھی پروپیگنڈے ہی کا کرشمہ ہے) لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ اس سیاست کے حوام میں سب کو گونبلز ہی کے اسودہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ خواہ کوئی شخص دنیا کا نام لیتا ہوا اس میں داخل ہو، یا دین کا کلمہ پڑھتا ہوا داخل ہو۔

اس جھوٹ اور مبالغہ ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے موافق کو مدح و توصیف سے آسمان پر پہنچایا جائے، اور جس کو مخالف قرار دے لیا جائے اس کے خلاف اتنے جھوٹ اور اتنی تہمتیں تراشی جائیں کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے۔ اسلام میں تو مدح و ذم اور تعریف و تجود و نفور کے لئے نہایت سخت حدود و قیود ہیں، اور کوئی شخص دین سے بے قید ہونے بغیر اپنے آپ کو ان حدود و قیود سے آزاد نہیں کر سکتا۔ لیکن سیاست میں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے، وہ یہ کہ اپنے موافق کو آسمان پر پہنچاؤ اور اپنے مخالف کو تخت الشرعی میں گراؤ۔ اور اس مقصد کے لئے جس قسم کے جھوٹ اور جس نوع کے افترا کی ضرورت پیش آئے اس کو بے تکلف گھڑو اور بالکل بے خوف ہو کر اس کو لوگوں میں پھیلاؤ۔ صحیح اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات کتنی ہی بے حیائی اور بے شرمی کی سمجھی جائے، لیکن اہل سیاست اپنی تحریکات کی

کامیابی کے لئے اس چیز کو ناگزیر خیال کرتے ہیں، ان کے نزدیک اسی طرح وہ اشخاص اچھے ہیں جو تحریک کی گاڑی کو چلاتے ہیں، اور اسی طرح وہ اشخاص گرتے ہیں جو تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہ شخص دروغ کا فلسفہ ایک مستقل فلسفہ ہے جس کے تحت کتنے بے علم ہیں جو مولانا اور علامہ کا مقام حاصل کر لیتے ہیں، اور کتنے صاحب علم و تقویٰ ہیں جن کی گہریاں اچھلتی رہتی ہیں۔

۵۔ پانچویں خصوصیت: مقصود حقیقی صرف فلاح اخروی ایک اور چیز جو انبیاء علیہم السلام کے طریق کار کو عام اہل دنیا کے طریقہ ہائے کار سے نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تمام جدوجہد میں مطلوب مقصود کی حیثیت صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس چیز کے سوا کوئی اور چیز ان کے پیش نظر نہیں ہوتی، اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی جدوجہد کی کامیابی سے اللہ کے دین کو اور دین کے لئے کام کرنے والوں کو دنیا میں بھی غلبہ اور تفوق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کی دعوت کبھی نہیں دیتے کہ تو حکومت الہیہ قائم کر دیا اقتدار حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر۔ بلکہ دعوت صرف اللہ کے دین پر چلنے اور اس پر چلانے ہی کی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے خدا کے دین پر چلنا اور اسی پر دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دینا شرط ضروری ہے۔

اس کے برعکس اہل سیاست کی ساری تنگ و دو کا مقصود اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ وہ اسی اقتدار کے حصول کے لئے اپنی تنظیم کرتے ہیں، اور اسی کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ مقصود ایک خالص دنیوی مقصود ہے لیکن بعض لوگ اس پر دین کا طبع کر کے اس چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ یہ اقتدار اپنے لئے نہیں چاہتے بلکہ خدا کے لئے یا اس کے دین کے لئے چاہتے ہیں جو لوگ معاہدے کو اس شکل میں پیش کرتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ان کی نیتوں پر شبہ کیا جائے۔ جو ممکن ہے کہ وہ جس اقتدار کے حصول کے لئے

جدوجہد کر رہے ہیں، وہ خدا ہی کے لئے استعمال کریں، لیکن اس سے جدوجہد کا نصب العین بالکل تبدیل ہو جاتا ہے اور اس نصب العین کی تبدیلی کا جدوجہد کی مزاحمتی خصوصیات پر برا اثر پڑتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو یہ نصب العین کی تبدیلی سارے کام ہی کو بالکل دھم دھم کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہم جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اچھی طرح واضح اس طرح ہوتی ہے کہ اہل سیاست جس دنیوی اقتدار کے حصول کو تمام خیر و فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ دین کی خدمت کا کوئی کام بھی ان کے نزدیک اس وقت تک انجام ہی نہیں دیا جاسکتا، جب تک یہ اقتدار حاصل نہ ہو جائے۔ اس اقتدار کو انبیاء علیہم السلام نے اس نصب العین کے لئے نہایت خطرناک سمجھا ہے جس کے دائی وہ خود رہے ہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ میں تمہارے لئے فقر و غریب سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی عزت و ثروت تمہیں حاصل ہوگی اور تم اس کے انہماک میں اہل نصب العین یعنی آخرت کو بھول جاؤ گے۔ آپؐ کا ارشاد ہے، خدا کی قسم میں تمہارے لئے فقر سے نہیں ڈرتا، بلکہ جس بات سے ڈرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس طرح تم سے پہلے والوں کے لئے کھول دی گئی، اسی طرح تمہارے لئے بھی کھول دی جائے گی۔ پھر جس طرح وہ اس کی بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گئے، اسی طرح تم بھی اس کے لئے بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پھر یہ تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر چھوڑے گی جس طرح اس نے تمہارے پہلوں کو ہلاک کر چھوڑا۔

لہٰذا وہ حدیث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد میں اصل مصلحہ نظر کی حیثیت آخرت کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کا اقتدار اس نصب العین کے لئے مفید بھی ہو سکتا ہے اور ضرر بھی، بلکہ مضر ہونا زیادہ اقرب ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں وہ اس اقتدار کو بھی خدا کی ایک بہت بڑی

آزمائش سمجھتے ہیں، اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غربت اور فقر کے دور ہیں، انہیں آخرت کے لئے کام کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے، اسی طرح امارت و سیادت کے دور میں بھی اس نصب العین پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اس امر کا کوئی ادنیٰ نشان بھی نہیں ملتا کہ اقتدار کو انہوں نے اہل نصب العین سمجھا ہوا یا اہل نصب العین کے لئے اس کو کوئی بڑی سازگار چیز سمجھا ہو۔

ہماری اس تقریر سے کسی صاحب کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم یہ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں، ہم رہبانیت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام جدوجہد کا مقصد صرف آخرت ہوتی ہے، وہ اسی کے لئے خلق خود کو دعوت دیتے ہیں، اسی کے لئے لوگوں کو منظم کرتے ہیں، اسی کے لئے جیتے ہیں، اور اسی کے لئے مرتے ہیں، اسی چیز سے ان کی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے، اور اسی چیز پر اس کی انتہا ہوتی ہے، ان کی تمام سرگرمیوں میں محرک کی حیثیت بھی اسی چیز کو حاصل ہوتی ہے، اور غایت و مقصد کی حیثیت بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے، وہ دنیا کو آخرت کے منافی نہیں قرار دیتے، بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتے ہیں، ان کی دعوت یہ نہیں ہوتی کہ لوگ دنیا کو چھوڑ دیں، بلکہ اس بات کے لئے ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کے لئے استعمال کریں۔

ان کے ہر کام پر ان کے اس نصب العین کے مادی ہونے کا خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کسی ایسی چیز کو کبھی گویا نہیں کرتے جو ان کے اس اہل نصب العین کی عزت و حرمت کو بے لگانے والی ہو۔ ان کے مقصد کی طرح ان کے وسائل و ذرائع بھی نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں، وہ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں کبھی ایسی چیزوں کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے جن کی پاکیزگی مشتبہ اور مشکوک ہو۔ ان کی کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کرنے والی میزان بھی چونکہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ہے، اس وجہ سے ان کی کامیابی اور ناکامی کے معیارات بھی عام اہل سیاست کے معیارات سے بالکل مختلف ہیں۔

اہل سیاست کے ہاں تو کامیابی کا معیار ان کے نصب العین کے لحاظ سے یہ ہے کہ ان کو دنیا میں اقتدار حاصل ہو جائے۔ اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر وہ ناکام و نامراد ہیں، لیکن انبیاء کے طریقہ پر جو لوگ کام کرتے ہیں ان کی کامیابی کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے کام کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی حالت پر ان کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر یہ چیز ان کو حاصل ہو گئی تو وہ کامیاب ہیں، اگر چنانچہ کے سایہ کے سوا کوئی ایک تنفس بھی اس دنیا میں ان کا ساتھ دینے والا نہ بن سکا ہو، اور اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکی تو وہ ناکام ہیں، اگرچہ انہوں نے تمام عرب و عجم کو اپنے ارد گرد اکٹھا کر لیا ہو۔

بہر حال ہمارے نزدیک اسلام اور اسلامی زندگی کے ایجاد کے لئے کام کرنے والوں کو اہل سیاست کے طریقوں سے کچھ پرہیز کرنا چاہیے، انہیں حصول اقتدار کی خواہش، ودش حاصل کرنے کی غرض اور سیاسی جوڑ توڑ کے ہر شعبہ سے پاک اور بالاتر ہو کر عوام کے پاس صرف ان کی خدمت اور ان کی مذہبی و اخلاقی اصلاح کے لئے جانا چاہیے، جو برائیاں اس وقت معاشرے میں عام ہو رہی ہیں ان کے دنیوی اور اخروی نقصانات دلسوزی اور بہمدی کے ساتھ انہیں بتائے چاہئیں، جن مفول قسم کے مذہبی مناقشات میں اس وقت ہمارا دینی طبقہ الجھا ہوا ہے، علماء اور عوام دونوں کو ان کے مضر نتائج سے آگاہ کرنا چاہیے، اور یہ کام ان لوگوں کو کرنا چاہیے جو خود دینی رنگ میں گہرے طور پر رنگے ہوئے ہوں، اسلام کا نام شخص ان کی زبانوں ہی پر نہ ہو بلکہ ان کے دلوں میں بھی اتر ا ہوا ہو۔ اور جو صرف شریک اور پروپیگنڈے ہی کو حصول مقصود کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ اپنے عمل اور اپنے کردار سے لوگوں کے دلوں کو سحر کر لیں۔

اس وقت سب سے اہم کام کرنے کا یہ ہے کہ
اس وقت کرنے کا کام
جدید فکر و فلسفہ کی بدولت اسلام کے خلاف

نہ خود مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ کے اندر جو ذہنی اور عملی بغاوت پھیل رہی ہے، اس کو روکنے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔ اس کو روکنے کے لئے کوئی جنگانی اور وقتی تدبیر کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک سے زیادہ ایسے علمی و تحقیقی اداروں کی ضرورت ہے جو اسلام کی خدمت کے لئے ذہن اور صلاح فطرت فوجوانوں کی تربیت بھی کریں اور جہاں تمام مسائل پر بلند پایہ علمی اور تحقیقی لٹریچر بھی تیار کریں جو مغربی فکر و فلسفہ کی فتنہ انگیز لوں سے اسلام کے خلاف اثر و کھڑکے ہوئے ہیں، اور جن سے ہمارا پورا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس وقت بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا اب ہمیں اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہمارے موجودہ مذہبی طبقے کے اندر اس فتنہ کے مقابلہ کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کام کے لئے ایسے رجال فکر تیار کرنے کی ضرورت ہے، جو اسلام کی حمایت و مدافعت کے لئے جدید اسلحہ سے مسلح ہوں۔ اگر اس قسم کے اشخاص پیدا کرنے کا جلدی سے جلدی کوئی انتظام نہ ہوا تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس ملک میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ یہ بات اگرچہ نہایت ہی درد انگیز ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے، اس وجہ سے ہمیں کہنی پڑتی ہے، اور عامی طور پر اس وجہ سے کہنی پڑتی ہے کہ جس چیز پر اس ملک میں اسلام کا انحصار ہے، اس کے لئے کوئی عملی اقدام تو دور کنار اب تک اس کا کوئی احساس بھی ہماری قوم کے اندر نہیں پایا جاتا۔

اس چیز کے مفید تر بنانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کام ایسے لوگوں کے ہاتھوں انجام پائے، جن پر کسی خاص پارٹی یا جماعت کا ایبل لگا ہوا نہ ہو تاکہ ہماری قوم کا ہر طبقہ بغیر کسی شک اور ہنگامی کے اس سے فائدہ اٹھا سکے بسا اوقات ہم نے دیکھا ہے کہ نہایت اعلیٰ مذہبی اور عملی خدمات محض اس وجہ سے شکوک اور ہنگامیوں کی زد ہو جاتی ہیں، اور لوگوں کے اندر ان کے خلاف تعصبات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ان خدمات کے انجام دینے والوں پر کسی خاص پارٹی یا جماعت کا ایبل لگا ہوا ہوتا ہے، بعض حالات میں اس ہنگامی کے لئے نہایت معقول اسباب بھی ہوتے ہیں تجربہ گواہ ہے کہ پارٹیوں اور جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہو جانے

کے بعد پارٹی کے طرز فکر اور جماعت کے مفروضات کا اتنا غلبہ ہو جاتا ہے کہ آدمی کے سوچنے کا انداز علمی کی بجائے بالکل سیاسی ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کے فکر کا کتنا حصہ بے آئینز اور خالص ہے اور کتنا اس کے اپنے جماعتی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ جماعتی حیثیت کے سرلیٹوں نے حقائق کو مسخ کرنے اور ہر چیز کو دیہاں تک کہ اللہ و رسول کو بھی (اپنے رنگ میں دکھانے کی ایسی مکرر کوششیں کی ہیں کہ ان کے کسی کام کو بھی جنبہ دانی سے بالاتر سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔

لیکن ہے کسی کے ذہن میں اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ فکر دینے والا اگر وہ اگر ہر قسم کی سیاسی غلطیات سے بالکل الگ تھلگ رہے تو اس فکر سے اجتماعی زندگی متاثر کس طرح ہوگی اور اس سے کوئی انقلاب کس طرح رونما ہوگا؟ یہ شبہ جن لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ دنیا کے انقلابات کی تاریخ اور ان کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ جو شخص اس فکر میں وہی انقلاب کا چکر بھی گھمائیں۔ ایک صحت مند اور طاقت ور فکر خود اپنے حامی اور طلبہ پر پیدا کر لیتی ہے اور وقت آنے پر اس کے لئے کام کرنے اور اس کو عمل پر پا کر دینے والے خود بخود پیدا جاتے ہیں۔ مروج انسانی آج جس چیز کے لئے بے چین ہے، آپ اس کے بتیا کرنے کا سامان کیجئے۔ اس میں اگر زندگی ہوگی تو قبرستانوں کے مردوں کو بھی اپنی حمایت میں اٹھا کھڑا کرے گی۔

ملک کے حالات پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آج ہر چیز نہایت تیزی سے بدل رہی ہے۔ معاشرے کی اخلاقی و فہمی حالت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر مغربی رنگ چھانے جا رہا ہے۔ تعلیم میں، تمدن میں معاشرت میں، معیشت میں مذہب کا عنصر کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ساری چیزیں قابل توجہ ہیں۔ اس دور میں اگر توجہ کی جائے، جبکہ ہر چیز ایک نئے سانچے میں ڈھل رہی ہے تو امید کی جاسکتی ہے کہ ان کی تشکیل میں کچھ حصہ اہل دین کا بھی شامل ہو جائے گا۔ لیکن جب ہر چیز ڈھل ڈھلا کر ایک

خاص صورت قبول کر چکے گی اور ایک مخصوص ہیئت پر وہ پختہ ہو جائے گی تو اس وقت آپ کا متوجہ ہونا بالکل بعد از وقت ہو گا۔ آج تو یہ ممکن ہے کہ ایک بات ہمدردانہ مشورہ دیتے ہی سے درست ہو جائے۔ لیکن کل جب کہ وہ پختہ ہو جائے گی تو سر دے کر بھی شاید آپ اس کو درست کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اس مقصد کے لئے وسائل و ذرائع کا بھی سوال ہے اور ساتھ ہی اشخاص و رجال کا بھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ پیش نظر کام کے لئے نہ تو موزوں آدمی ہی نظر آتے ہیں اور نہ ضرورت کے مطابق سرمایہ ہی حاصل ہونے کی موجودہ حالت میں کوئی امید بندھتی ہے۔ اس مشکل کے حل ہونے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ جو لوگ اس مقصد کی اہمیت کو سمجھ چکے ہیں، وہ باہم مل کر بجھتی کے ساتھ کوئی جامع پروگرام بنائیں اور اپنی طاقتیں، اپنے وسائل، الگ الگ نشانوں پر ضائع کرنے کے بجائے ایک ہی نشانہ اور ایک ہی مرکز پر صرف کریں۔ اس ملک میں ایسے اصحاب و مسائل ہیں جو اس مقصد کے لئے روپیہ صرف کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح ایسے اشخاص بھی

ہیں جو ہر ایک نصب العین کے لئے اپنی قابلیتیں اور صلاحیتیں وقف کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن ان کی راہ میں جو مشکل ہے، وہ یہ ہے کہ یہ سب کے سب اپنے اپنے مقامی بندھنوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس پابندی کے سبب سے ان سب کا باہمہ گر جزا و شواہ ہو رہا ہے اور آپس میں جزے بغیر ان کا ایسی کوئی مؤثر طاقت بننا محال ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مفید اور قابل ذکر خدمت انجام پا سکے۔

اگر یہی صورت حال قائم رہے تو یہ اسلام کے جتنے بھی دور و مند ہیں، سب اپنے احوال اور اپنی دروندی کے باوجود اپنی اپنی جگہوں پر یا تو ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں گے یا اپنے مال اور اپنی صلاحیتیں نہایت ہی حقیر کاموں پر ضائع کرتے رہیں گے جس سے اسلام کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا۔ اگر یہ حضرات فی الواقع اس دور مغرب میں اسلام کی کوئی مفید خدمت انجام

دینا چاہتے ہیں تو اس کی صرف ایک ہی راہ ہے، وہ یہ کہ سب لوگ اپنے مقامی علاقے سے اپنے اپنے ذہنوں کو آزاد کر کے اس بات پر آمادہ ہو جائیں کہ باہمی مشورہ سے اسلام کی خدمت کے لئے اس وقت جو کام جس جگہ کرنا طے پا جائے گا، اپنے اپنے وسائل اور اپنی اپنی صلاحیتیں اللہ و فی اللہ سب اس کی نذر کر دیں گے۔ اگر یہ شکل بن جائے تو ہم توقع رکھتے ہیں کہ معاشرہ کی اخلاقی و مذہبی اصلاح کا ایک نظام بھی قائم ہو سکتا ہے۔ وسیع پیمانہ پر ذی حلاکت نو جوانوں کی تربیت کا ادارہ بھی قائم ہو سکتا ہے اور فکری اصلاح کے لئے تحقیقات اور ریسرچ کے کام بھی انجام دینے جاسکتے ہیں۔

ہم اس موقع پر تمام دینی جس رکھنے والے مسلمانوں اور خاص طور پر علمائے کرام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت اور عند اللہ اپنی ذمہ داریوں پر غور کریں، اور تمام بے جا قسم کی خود داریوں اور گروہی تعصبات و بغاوت سے بالاتر ہو کر اسلام کے بقا و تحفظ کی راہیں سوچیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ